ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خُودی اور ذکر

ذکر، خودی کی ایک بنیادی ضرورت

خودی حق تعالیٰ کی صفات کے حسن و کمال پر غور و فکر کر کے اپنے جذبۂ حسن کو مطمئن کرنے کے لیے تمام قدرت کے ذرائع کو ہی نہیں بلکہ لغت کے ان الفاظ کو بھی، خدا کی صفات کی علامات کے طور پر کام میں لاتی ہے جو خدا کی صفات کے لیے مستعمل ہیں۔ قرآن حکیم نے ان الفاظ کو اسماء حسنیٰ یعنی حسین نام کہا ہے۔

بندۂ مومن ان الفاظ کے مفہوم کو ذہن میں رکھ کر زبان اور دل سے بار بار ان کا اعادہ کرتا ہے اور اس عمل کے دوران اپنی توجہ اس حسن و کمال پر مرتکز کرتا ہے جس کا یہ مفہوم آئینہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اس طریق سے حسن کے باطنی مشاہدہ اور مطالعہ سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی ثروت اور گہرائی سے آشنا ہوتا ہے۔ جستجوئے حسن کی اس شکل کو ذکر یا عبادت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ لفظ عبادت کا مفہوم وسیع ہے اور انسان کی زندگی کے تمام اعمال کو عبادت میں شمار کیا جاتا ہے لیکن محدود معنوں میں عبادت کی اصطلاح ذکر کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بھی برتی جاتی ہے۔ ذکر انسان میں محبت کا سوز بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اس سوز سے وہ شعلہ کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ایک ایسے مردِ خدا کی ضرورت ہے جس کے دل میں کثرتِ ذکر سے خدا کی محبت کا شعلہ روشن ہو گیا ہو اور جس کا ذہن فکر کی سرعت میں بجلی سے بھی زیادہ تیز ہو پھر وہ دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے ایک قیامت برپا کر سکتا ہے۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستاخیز

© rasailojaraid.

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سُرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

آدھی رات کے بعد سے لے کر صبح تک ذکر میں مشغول ہونا، جس کی تحسین قرآن حکیم نے تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کے الفاظ سے کی ہے، خودی کے مقصد کے لیے زیادہ مفید اور مؤثر ہوتا ہے کیونکہ اُس وقت خاموشی اور تنہائی اور خدا کی خاص رحمت کے نزول کی وجہ سے خودی ذکر پر اپنی توجہ زیادہ آسانی سے مرکوز کر سکتی ہے۔ جذبۂ محبت خودی کو پارہ کی طرح بیقرار رکھتا ہے لیکن ذکرِ نیم شبی اس کو اس طرح سے قرار اور جمعیتِ خاطر بخشتا ہے جس طرح چوبِ عُود پارہ کو ساکن کر دیتی ہے۔

بذکرِ نیم شب جمعیتِ او
چوں سیمابے کہ بند د چوبِ عودش

گویا ذکر ایک عبادت کوئی لسانی یا اصولی مشق نہیں، بلکہ خودی یا روح کی ایک داخلی جدوجہد ہے، جو حسن کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حسن کا قریبی مشاہدہ کر کے اس احساس کو اور گہرا کیا جائے، یہاں تک کہ انسان کی محبت اپنے کمال کو پہنچے۔ وہی ذکر محبت کی پوری نشوونما کر سکتا ہے جو حسن کے سچے احساس سے پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنے کلام میں بار بار ذکر اور عبادت کے اخلاص پر بڑا زور دیا ہے۔

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں!
تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں!

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ الا
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی!

صدفِ ایمان کا گوہر

چونکہ مخلصانہ ذکر سے رفتہ رفتہ غیر اللہ کی محبت گھٹتی اور اللہ کی محبت بڑھتی جاتی ہے اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن کے لیے بے حیائی اور نافرمانی کا ارتکاب غیر ممکن ہو جاتا ہے اس لیے اسلام نے ذکر کی ایک خاص اقلِ قلیل صورت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور عمل سے معین ہوتی ہے اور جسے صلوٰۃ یا نماز کہا جاتا ہے، ہر مسلمان پر لازم قرار دی ہے۔ نماز وہ گوہر ہے جو ایمان کے صدف

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

میں پرورش پاتا ہے اور اس لحاظ سے مومن کا گویا چھوٹا حج ہے کہ اس میں مومن قلبی اور ذہنی طور پر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے۔ نماز مسلمان کے ہاتھ میں ایک خنجر کی طرح ہے جو بے حیائی، بداخلاقی اور نافرمانی کا قلع قمع کرتی ہے۔

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز
قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشاء و بغی و منکر است

لیکن نماز مومن کے لیے صرف اتنے ہی ذکر کا اہتمام کرتی ہے جو ذکر سے اس کی محبت پیدا کرنے اور مخلصانہ ذکر کی عادت کو راسخ کرنے کے لیے کم از کم درکار ہے۔ اس کے ذریعہ سے مومن کی خودی کو ذکر کی وہ تمام غذا میسر نہیں آتی جو اس کی اشتہائے حسن کو پوری طرح مطمئن کر کے اس کی پوری پوری نشوونما کر سکتی ہو۔ لہٰذا قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ مومن نماز کے بعد بھی کثرت سے خدا کا ذکر کرتا رہے نماز میں بھی احساس حسن (جسے اقبال جذبِ اندروں کہتا ہے) نہ ہو تو نماز کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اقبال کا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان میں یہی احساس حسن یا خدا کی مخلصانہ محبت کا جذبہ باقی نہیں رہا۔ آج اگر ہم ان کی نماز کو دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ نہ تو صفیں ذوق و شوق کے ساتھ درست کی ہوئی ہیں، نہ دل نماز پر جما ہوا ہے اور نہ ہی سجدہ میں کوئی لذت محسوس کی جا رہی ہے، اس لیے کہ دلوں میں خدا کی محبت باقی نہیں رہی۔

صفیں کج، دِل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی   اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے   دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے   کھو یا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

اقبال کو شکایت ہے کہ خدا کی سچی محبت کی طرف بلانے والے اب نہ مسجدوں میں ہیں نہ خانقاہوں میں اور نہ مدرسوں میں، اور اب تنہا وہی ہے جو اس کی طرف سب کو دعوت دے رہا ہے

© rasailojaraid.com

صوفیوں اور مسلموں کے کدو خدا کی محبت کی خالص شراب سے خالی ہیں۔ اب اگر یہ شرابِ ناب کہیں ملتی ہے تو اقبال کے سبو چہ میں۔

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانہ میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسہ میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق　　خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو

احساسِ حسن یا جذبِ اندروں یا خدا کی محبت ہی ایمان ہے۔ یہی دل کے مسلمان ہونے کی علامت ہے جس کی کمی کا احساس مسلمان ہونے کی بات کہنے والا ہو یا سننے والا ہو، جب تک اس کا دل مسلمان نہ ہوگا اس وقت تک اس کی نماز بے فائدہ رہے گی۔ آج مسلمان کا دل مسلمان نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی نماز بے نتیجہ ہے

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا　　میں بھی نمازی، تو بھی نمازی

جذبِ مسلمانی

اس احساسِ حسن کو اقبال جذبِ مسلمانی بھی کہتا ہے کیونکہ یہ مسلمان کا خاص امتیاز ہے اور اسے شرعِ مسلمانی سے تمیز کرتا ہے۔ شرعِ مسلمانی تو یہ ہے کہ مسلمان نماز کو اس کے ظاہری آداب کے ساتھ ادا کر دے اور جذبِ مسلمانی یہ ہے کہ مسلمان جب نماز ادا کرے تو خدا کے حسن و کمال کا سچا احساس یا عشق اس کی نماز کا رفیق ہو۔ یہی احساسِ حسن یا جذبِ مسلمانی اقبال کے نزدیک سرِ کائنات ہے کیونکہ اسی کی خاطر کائنات پیدا کی گئی ہے اور یہی انسان اور کائنات کو معراجِ کمال پر پہنچانے کا ذریعہ بننے والا ہے۔ یہی مومن کے تمام اعمال و افعال کی قوتِ محرکہ ہے جس کے بغیر مومن کے لیے صحیح قسم کے عمل کی راہ پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وہ چیز ہے جو یقین یا ایمان کی شاخ کو زندہ، سبز یا نمناک رکھتی ہے۔

اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی
ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

بے جذبِ مسلمانی اے رہروِ فرزانہ
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

شریعت اسی احساسِ حسن یا عشق یا خدا کی محبت کے اظہار کے معین طریقوں کا نام ہے۔ اگر احساسِ حسن یا عشق مفقود ہو تو نماز ہی نہیں بلکہ ساری شریعت ایسے تصورات کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے جن کا مقصد خدا طلبی یا خدا شناسی نہیں ہوتا، بلکہ جو خدا کی بجائے خود مطلوب اور معبود بن جاتے ہیں اور لہٰذا بتوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اقبال ذکر کو کبھی آہِ سحر گاہی کہتا ہے اور کبھی فغانِ صبحگاہی اور کبھی آدابِ سحر خیزی کا نام دیتا ہے جب تک کہ انسان غیر اللہ کی محبت میں گرفتار رہتا ہے وہ اپنی آرزوئے حسن کی مکمل تشفی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آرزو سوائے خدا کے اور کسی چیز سے مطمئن نہیں ہوتی۔ اس وقت تک نہ تو اس کی شخصیت اپنے کمال کو پاتی ہے اور نہ ہی وہ مکمل طور پر اطمینانِ قلب سے بہرہ ور ہو سکتا ہے لیکن انسان ذکر کے بغیر خدا کی محبت کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جہاں وہ غیر اللہ کی محبت سے بے نیاز ہو جاتے۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی ہوئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے خود بھی ذکرِ نیم شبی کو اپنا شعار بنایا جس کو لندن کے جاڑے کی نہایت سرد ہوا بھی ترک نہ کروا سکی۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

ذکر کے بغیر فکر نہ کامل ہوتا ہے اور نہ اپنے مقصد کو پا سکتا ہے۔ ذکر اور فکر کو ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

خودی کے خواص کا علم

ذکر اور نماز اور اسلام کی ایسی ہی دوسری تعلیمات پر اقبال کا زور، جیسا کہ اقبال کو ملا کہنے والے بعض ناقدر دانوں نے سمجھا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسلام کا واعظ یا مبلغ بن کر اسلام کی ان تعلیمات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ فطرتِ انسانی یا انسانی خودی کے خواص کے جن ناقابلِ انکار حقائق کو وہ اپنی جستجو سے دریافت کر چکا ہے وہ اسے ضروری قرار دیتے ہیں اور اقبال نے جس طریق سے ان حقائق کی جستجو کی ہے وہ سائنسدان کے طریقِ جستجو سے چنداں مختلف نہیں۔ سائنسدان کا کام یہ ہے کہ وہ مشاہدات کے ذریعہ سے ہر چیز کے خواص معلوم کرنا چاہتا ہے لیکن بعض چیزیں دنیا میں ایسی بھی ہیں جو براہِ راست کسی کے مشاہدہ میں نہیں آ سکتیں اور صرف ان کے خارجی اثرات ہی مشاہدہ میں آ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں کے خواص کا علم سائنسدانوں کو ان کے اثرات کے مشاہدہ اور مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور سائنسدان ان کا علم حاصل کرنے کے لیے بالکل یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ان چیزوں میں سے، جیسا کہ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں، ایک ایٹم ہے۔ شاید آج سے دس بارہ سال پہلے ایک امریکی سائنسدان نے الیکٹرانک خوردبین سے ایٹموں کو دیکھا تھا۔ لیکن ایٹم کے خواص کے متعلق جس قدر معلومات اس وقت سائنسدانوں کو حاصل ہیں وہ قریباً سب کی سب ایٹم کو دیکھنے سے پہلے اور اسے دیکھنے کے بغیر اس کے اثرات کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی تھیں۔ اسی قسم کی ایک اور چیز انسانی خودی ہے جس کو ہم دیکھ نہیں سکتے، تاہم اس کے اثرات سے اس کے خواص معلوم کر سکتے ہیں۔ خودی کے خواص کا علم انسان کے لیے حد درجہ ضروری ہے، کیونکہ خودی ہی انسان کی اصل ہے۔ انسان کے تمام اعمال و افعال، جن سے دنیا کے اندر ایک ہنگامہ برپا ہے، خودی کے ہی اعمال و افعال ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ خودی کیا ہے، اس کے خواص کیا ہیں، اس کے افعال و اعمال کا منبع کیا ہے اور یہ کیا چاہتی ہے، اور کیوں چاہتی ہے۔ یہ جاننے کے بغیر ہم انسان کے اعمال و افعال کو ضبط میں نہیں لا سکتے اور نہ حسبِ منشا ان سے کام لے سکتے ہیں۔ مثلاً انسان کی باہمی جنگوں اور رقابتوں

© rasailojaraid

کو روک نہیں سکتے اور انسانی دنیا میں امن وصلح اور ترقی وخوشحالی کی کمل فضا پیدا نہیں کر سکتے۔ اور یہ نہیں بتا سکتے کہ انسان اپنے سیاسی، قانونی، تعلیمی، اخلاقی، علمی اور فنی، جنگی، سفارتی اور اقتصادی نظامات کو کیسے قائم کرے کہ وہ پائیدار ہوں، درست ہوں اور اس کے لیے مفید ہوں اور پریشانیوں کا باعث نہ ہوں۔ اقبال نے خودی کے اثرات کو، جو انسانی اعمال وافعال کی صورت میں ہیں، سامنے رکھ کر خودی کے خواص کے متعلق کچھ نتائج اخذ کیے ہیں۔ اقبال کا فلسفہ ان ہی نتائج پر مشتمل ہے۔ اقبال سے پہلے بعض اور لوگوں نے بھی خودی کے اثرات سے خودی کے خواص معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اقبال کے سوائے کسی کے نتائج خودی کے اثرات کی (جو افراد اور اقوام کے ماضی اور حال کی تاریخ کے آئینہ میں آشکار نظر آ رہے ہیں) تسلی بخش تشریح نہیں کر سکتے۔ یہ نتائج نہ تو ان اثرات کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی آپس میں اور دوسرے علمی حقائق کے ساتھ ہم آہنگ ہیں، لہٰذا معقولیت اور یقین افروزی کے درجہ سے گرے ہوتے ہیں۔

اگر اقبال نے خودی کے اثرات کے مشاہدہ سے یہ بات معلوم کی ہے کہ خودی فقط خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبہ ہے اور اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور خودی کے تمام اثرات اور تمام اعمال وافعال، خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط، اس کے اس جذبہ محبت سے پیدا ہوتے ہیں اور خودی کا جذبہ محبت ذکر وفکر سے تشفی پاتا ہے تو وہ یہ بات کہنے پر مجبور ہے، خواہ کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ یہ وعظ نہیں بلکہ مشاہدات کے ناگزیر نتائج کا اظہار ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان نتائج کو صحیح طور پر اخذ کرنے میں اقبال کو اسلامی تعلیمات نے بڑی مدد دی ہے اور نہ ہی اس بات سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات سے ان نتائج کی تائید مزید ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص پانی کے خواص کا مشاہدہ کر کے یہ کہے کہ وہ صفر ڈگری سنٹی گریڈ پر برف بن جاتا ہے تو خواہ وہ شخص جو برف سے نفرت کرتا ہو یا برف کے خلاف الرجک (allergic) ہو اس بیان کو ناپسند کرے، اس میں پھر بھی کوئی نقص نہیں ہوگا اور کہنے والے کو پھر بھی یہی کہنا چاہیے۔

عبادت کی اہمیت

انسان کا وہ عمل جسے خدا کی عبادت کا نام دیا جاتا ہے اور جس کا بڑا عنصر ذکر ہے انسان کے تجربات

© rasailojaraid.com

میں سب سے زیادہ قیمتی اور اعلیٰ وارفع ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسان اپنی زندگی کی سب سے بڑی سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی آرزو کو اپنا صحیح اور قدرتی اظہار پانے کا موقع دیتا ہے۔ اور اس طریق سے اس کی مکمل اور مستقل تشفی کر کے اپنی شخصیت کے ارتقاء کو نکتہ کمال پر پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ گویا انسانی خودی کا اپنے مبدأ کی طرف عود اور اپنی منزلِ مقصود کی طرف رجوع ہے۔ یہ دو بچھڑے ہوئے عاشقوں کی ملاقات ہے جو کروڑہا برس کے ارتقائی عمل کی صورت اختیار کرنے والی ایک دوسرے کی طویل جستجو کے بعد ان کو میسر آتی ہے۔ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ عبادت ایک فطری عمل ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے سائنسدانوں کی جستجوئے صداقت کا ہی ایک تتمہ ہے:۔

"عبادت کا منبع انسان کی فطرت میں ہے۔ فکر کے ذریعہ سے شعور حقیقت کے عمل کو دیکھتا اور اس کی نشوونما کرتا ہے جو جسم کی مسلسل رفتاری سے منکشف ہونے والے عالمگیر اصولوں کی جستجو کی قوت کی حیثیت سے اپنا کام ترک کر دیتا ہے اور فکر سے بالا ہو کر براہِ راست حقیقت کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہے تاکہ اس کے کام میں ارادی طور پر شرکت کر سکے۔ اس میں کوئی مخفی یا ناقابلِ فہم بات نہیں عبادت حصولِ تجلی کے ایک ذریعہ کے طور پر ایک قدرتی حیاتیاتی فعل ہے جس سے ہماری شخصیت کا چھوٹا سا جزیرہ اچانک ہی زندگی کی بڑی وحدت میں اپنا مقام دریافت کر لیتا ہے۔۔۔۔ دراصل عبادت کو قدرت کا مشاہدہ کرنے والے انسان کی جستجوئے علم کا ایک ضروری تتمہ سمجھنا چاہیے قدرت کا سائنسی مشاہدہ حقیقت کے کردار کے ساتھ ہماری گہری وابستگی قائم کرتا ہے اور اس طرح سے اس کے زیادہ گہرے مطالعہ کے لیے ہمارے وجدان کو تیز تر کرتا ہے۔۔۔ سچ بات یہ ہے کہ علم کی ساری جستجو ہی دراصل ایک قسم کی عبادت ہے۔ اور قدرت کا مشاہدہ کرنے والا سائنسدان ایک قسم کا جویائے حق صوفی ہے جو عبادت کر رہا ہے۔"

اگر مومن درحقیقت سچا مومن ہے تو ذکر اور تسبیح اور عبادت سے جو قوت اسے حاصل ہوتی ہے وہ اسے مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر ضائع نہیں کرتا بلکہ دنیا کو اپنے محبوب کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے کام میں لاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ دنیا کی کوئی چیز نہیں جو خدا کی تسبیح بیان نہیں کرتی۔ اگر انسان ذکر و تسبیح پر ہی اکتفا کرے تو اس کا درجہ جمادات اور نباتات سے بلند نہیں ہوگا جو بے شعور ہیں یا نیم شعور

لیکن انسان چونکہ خود شناس اور خود شعور ہے کائنات میں اس کا اصل کردار یہ ہے کہ وہ کائنات کی تعمیر اور تکمیل میں خدا کا شریکِ کار بنے۔ اور اس غرض کے لیے فقط زبان سے نہیں بلکہ اپنی مسلسل عملی جدوجہد سے نعرۂ تکبیر بلند کرے۔ زبان سے ذکر اور تسبیح کرنا اس کردار کی تیاری کے ذرائع ہیں کیونکہ ان سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو اس کردار کو مؤثر طریق پر انجام دینے کے لیے کام آتی ہے۔ افسوس کہ اکثر علماء دین ذکر اور تسبیح پر زور دیتے ہیں لیکن خدا کی مرضی کے مطابق دنیا کو بدلنے پر زور نہیں دیتے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم کے ارشادات کی رُو سے خدا مؤمنین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی دنیا کو اس کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے جدوجہد کریں اور ان سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو اس کی مدد ان کے ساتھ ہوگی۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ (سورۂ محمد، آیت ۷)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہیں نصرت دے گا"

© rasailojaraid.

خدا کی مدد یہی ہے کہ خدا کائنات کو ترقی دے کر جس کمال پر پہنچانا چاہتا ہے اس کا چاہنے والا مردِ مؤمن بھی یہ کوشش کرے کہ کائنات اس کمال پر پہنچے۔ اقبال نے ان حقائق کو تین زوردار شعروں میں بیان کیا ہے۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات!
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

ختم شد

© rasailojaraid.